

رمضان کے ثمرات

مولانا عبدالغفار حسنؒ

● مقصد: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں دو قسم کے افکار و خیالات پھیلے ہوئے تھے، اور انسانی آبادی افراط و تفریط کی دو انتہاؤں میں بیٹھ ہوئی تھی:

ایک خیال یہ تھا کہ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ^ج (جاثیہ: ۲۴:۲۵)، یعنی جو کچھ بھی ہے یہی دنیاوی زندگی ہے، موت و حیات کا چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ ہمیں گردشِ زمانہ ہی ہلاک کرتی ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندگی اور حشر و نشر کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اس قسم کے خیالات میں مست رہنے والے افراد کے پیشِ نظر عیش پرستی، شکم پروری اور ہوس رانی کے سوا زندگی کا کوئی اور مقصد ہی نہ تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک نہ کسی اخلاقی ضابطے کی پابندی ضروری تھی اور نہ حلال و حرام میں کوئی امتیاز برتا جاتا تھا۔ اس قسم کے معاشرے کی حالت کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: يَا كُلُّونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ، (محمد: ۱۲:۱۷)، یعنی یہ لوگ (روحانی و اخلاقی قدروں اور تقاضوں سے بے پرواہ ہو کر) کھانے پینے ہی کو زندگی کا اصل حاصل سمجھتے ہیں۔ ان کا حال مویشیوں اور چوپاؤں سے ممتاز نہیں ہے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس قسم کی سوسائٹی میں نہ صرف یہ کہ روحانی اور اخلاقی قدروں سے بے نیازی برتی جاتی ہے، بلکہ ان کو پامال کرنے اور نئی نسل کو ان سے متنفر اور باغی بنانے کے لیے ساری صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کردی جاتی ہیں۔ قص و سرود (ناچ گانے) اور دوسری مخرب اخلاق تفریحات اور تماشوں کے ذریعے پوری آبادی کو اپنے خالق و مالک سے بیگانہ اور عیش و عشرت کا رسیا بنا دیا جاتا ہے۔

یہ عیش پسند معاشرہ اپنی کج روی اور فاسقانہ و باغیانہ زندگی کی بنا پر جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو خدا کا تازیانہ حرکت میں آتا ہے اور چہل پہل سے بھر پور بستیوں اور پڑھکھوہ عمارات و محلات کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی ہے اور چشمِ زدن میں یہ ساری رونق و بہار، ویرانی اور بربادی میں تبدیل ہو جاتی ہے:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۶:۱۷) جب ہم کسی بستی کو (اس کے باشندوں کی بد اعمالیوں کی بنا پر) ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو (اتمامِ حجت کے لیے) اس کے خوش حال طبقہ کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں لیکن وہ فسق و فجور کی راہ اختیار کرتے ہیں، تو اس صورت میں اس بستی پر ہمارا قانونِ عذاب چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے نیست و نابود کر ڈالتے ہیں۔

کچھ خدا ترس لوگوں نے عیش پسند سوسائٹی کی خرابیوں اور تباہ کن نتائج کو دیکھ کر اصلاحِ حال کے لیے ایسی راہ تجویز کی جس کی بنا پر وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئے، یعنی خدا کا قرب اور دائمی راحت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب کہ انسان دنیا کے معاملات اور ہر طرح کی راحتوں و لذتوں سے کنارہ کش ہو کر غاروں، صحراؤں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے۔ قرآن میں اس خیال کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمُ (الحديد ۵۷:۲۷) ”ان لوگوں نے ترک دنیا کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے، یہ ہم نے ان پر لازم نہیں کیا تھا“۔

اس راہ کو اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا حق صرف فساق و فجار اور خدا سے باغی لوگوں کو ہی حاصل ہے۔ خدا کے وفادار بندے ان سے بے تعلق رہ کر ہی دنیا و آخرت میں نجات و کامرانی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسی قسم کی ذہنیت کے افراد کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ط (اعراف ۳۲:۷) ”کہہ دیجیے کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اس زینت اور پاکیزہ رزق کو حرام ٹھہرا دیا ہے، جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے؟“

پہلی قسم کے خیالات ہوں یا دوسری نوع کے افکار، دونوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے فطری تقاضے پورے ہو سکیں اور وہ دنیا و آخرت میں حقیقی شادمانی و کامرانی سے سرفراز ہو سکے۔

انسان میں فطری طور پر تین قسم کی خواہشات پائی جاتی ہیں: ۱- کھانے پینے کی خواہش ۲- جنسی تعلق سے رغبت ۳- راحت و آرام کی طلب۔ اب اگر ان تینوں خواہشات کو بے قید آزادی دے دی جائے تو عیش پرستانہ زندگی میں انسان کا بتلا ہو جانا یقینی ہے۔ اور اگر ان کو دبانے یا کچلنے کی کوشش کی جائے تو انسانیت کی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسلام نے افراط و تفریط کی ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ پیش کی ہے۔ یہ اعتدال پیدا کرنا رمضان المبارک کا اڈلین مقصد ہے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو) سے واضح کیا ہے۔

روزے کی حالت میں دن بھر ایک مسلمان بھوک کی شدت، پیاس کی تیزی اور جنسی خواہش کے ہیجان کو قابو میں رکھتے ہوئے خواہش نمبر ۱ اور نمبر ۲ کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ افطار کے بعد تھکا ماندہ جسم آرام کا طالب ہوتا ہے، لیکن مؤذن کے بلاوے پر نہ صرف یہ کہ فرض و سنت ادا کرتا ہے بلکہ نماز تراویح بھی ادا کرتا ہے۔ اس طویل عبادت کے بعد انسان آرام کے لیے لیٹتا ہے اور صبح تک راحت و سکون کی طلب اس میں پائی جاتی ہے لیکن ان ۲۹ یا ۳۰ دنوں میں خلاف معمول پھر اسے رات کے آخری حصے میں سحری کے لیے اٹھنا ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کا جسم عیش و عشرت اور سکون، راحت کا دلدادہ ہونے کے بجائے مشقت اور جفاکشی کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کی تیسری خواہش بھی بے قید آزادی کا شکار ہونے سے بچ جاتی ہے۔

روزے سے جس توازن اور عدل کی شاہراہ پر انسان کا قدم اٹھتا ہے، وہی اسے تقویٰ کی منزل تک پہنچاتی ہے۔ اِغْدُلُوا ط هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (المائدہ ۸:۵) ”عدل کی راہ اختیار کرو وہ تقویٰ سے قریب تر ہے“۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اعتدال و میانہ روی کی یہ کیفیت وہ ہے جس کی بنا پر انسان تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے رب کا قرب اور اس کی بے پایاں رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ بس یہی

رمضان المبارک کا اصل مقصد ہے۔

رمضان کا مبارک اور مقدس مہینہ جن خصوصیات اور محاسن کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، یہاں ان میں سے صرف چند اہم اور نمایاں خصوصیات اور تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے ہوئے ان کے نتائج و ثمرات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

● ایمان کی تازگی: روزے کا پہلا ثمر ایمان کی از سر نو تازگی اور شادابی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات خصوصاً اس کے علیم و خبیر اور مالک یوم الدین ہونے پر جس طرح روزہ یقین پیدا کرتا ہے، وہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ روزے کی حالت میں بھوک پیاس کی شدت اور جنسی خواہش کے بیجان پر وہی شخص قابو پاسکتا ہے جو مذکورہ بالا خدائی صفات پر ایمان رکھتا ہو۔ قانون کے ڈنڈے اور پولیس کے پہروں کے بغیر ایک مسلمان اپنے ایمانی تقاضے کی بنا پر اس فرض کو انجام دے سکتا ہے اور اس طرح اس کی ایمانی قوت و حرارت میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ افراد کی اصلاح کے لیے دو قسم کے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں:

۱- باطنی، یعنی قلبی کیفیات اور اندرونی حالات میں انقلاب و تبدیلی پیدا کی جائے۔
۲- ظاہری، یعنی بیرونی دباؤ اور تحریری قوانین کے ذریعے برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو نشوونما دینے کی کوشش کی جائے۔

اسلام نے یہ دونوں طریقے اختیار کیے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: سنو! جسم میں ایک گوشت کا ایک ٹوٹھڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ فرمایا: یہ ٹوٹھڑا دل ہے، (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۴۱)۔ قلبی کیفیات کو بدلنے اور پاکیزہ میلانات پیدا کرنے کے لیے نماز کے بعد اگر کسی عبادت کا مقام ہو سکتا ہے تو وہ روزہ ہے۔

● اخلاص: روزے کا دوسرا پہلو اخلاص ہے۔ دوسری عبادت کا علم کسی نہ کسی طرح دوسرے افراد کو بھی ہو سکتا ہے، لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جب تک خود روزے دار ہی اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کر دے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی۔ اس عبادت میں ریا کاری اور نمائش کا کم سے کم امکان پایا جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: ”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی

جزا دوں گا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

● صبر: روزے کی بنا پر انسان میں صبر، یعنی ضبطِ نفس اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اسی حدیث میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ”وہ صبر کا مہینہ ہے“ (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۷۵، بحوالہ بیہقی)۔ یہ بھی واضح رہے کہ اصحابِ صبر کے لیے خدا کے ہاں ثواب بھی ان گنت ہے، ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّمَا يُؤَفِّي الصَّابِرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر: ۳۹) ”صبر والے، خدا کے ہاں اپنا اجر بے حساب پائیں گے۔“

● جذبہٴ شکر: روزے کی وجہ سے انسان میں جذبہٴ شکر ابھرتا ہے اور خدا کی نعمتوں کی قدر و منزلت اسے معلوم ہوتی ہے، اور پھر یہ جذبہ اپنے محسنِ حقیقی کی محبت سے وابستہ کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب مقامِ محبت حاصل ہو جائے تو پھر عبادت و اطاعت کی مٹھاس بھی دو چند ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ قرآن میں ارشاد ہے: وَ لَتُكْفِرُوا بِاللّٰهِ عَلٰی مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ ۲: ۱۸۵)، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت کی نعمت تمہیں بخشی ہے اس پر تم اس کی بڑائی بیان کرو اور تا کہ تم (احسانات کا) شکر ادا کرو۔ اسی جذبہٴ شکر کو ابھارنے کے لیے ایک حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ دنیاوی لحاظ سے ان لوگوں کو دیکھو جو تم سے کمتر ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم ان نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

روزے کے افطار کے وقت خاص طور پر اس دعا کے پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُومْتُ وَ عَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ، ذَهَبَ الظَّمَا وَ اَبْتَلَّتِ الْعُرُوۡقُ وَ ثَبَّتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی (ابوداؤد، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۷۵) اے اللہ!

میں نے تیرے لیے روزہ رکھا، اور تیرے دیے ہوئے رزق پر میں نے افطار کیا، پیاس بجھ گئیں، رگیں تر ہو گئیں، اور خدا کے ہاں اجر ثابت ہو گیا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس دعا میں بھی اعترافِ نعمت اور جذبہٴ شکر ابھارنے کی نمایاں طور پر تربیت دی گئی ہے۔

● ہمدردی اور غم خواری: روزہ انسان میں ہمدردی اور غم خواری کے جذبات کو ابھارتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جس نے روزے دار کا روزہ افطار کرایا تو اس کو روزے دار کے برابر ثواب ملے گا، اور جس نے پیٹ بھر کر کسی روزے دار کو کھانا کھلا دیا، اسے اللہ تعالیٰ حوضِ کوثر کا جام

پلائے گا کہ میدان میں پیاس ہی محسوس نہ ہوگی، اور جس نے اپنے غلام یا ماتحت شخص سے کام لینے میں نرمی برتی، اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ (بیہقی، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۷۴)

● قیام اللیل: رمضان المبارک کی دوسری خصوصیت رات کا قیام، یعنی شب بیداری ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ”جس نے رمضان کے روزے ایمان کی بنا پر اور ثواب کی نیت سے رکھے، اس کے اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے“۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

قیام اللیل سے نفس کی تربیت جس طرح ہوتی ہے، اس کی وضاحت اس انداز سے کی گئی ہے: اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَاَقْوَمُ قِيْلًا (المزمل ۶:۷۳) ”بلاشبہ رات کا اٹھنا نفس کو سچنے اور بات کے درست ہونے کے لیے زیادہ سازگار ہے“۔ رات کے آخری حصہ میں نرم گرم بستر چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لیے اٹھنا نفس پر انتہائی شاق گزرتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ رات کے آخری حصے کی اس پرسکون فضا میں اپنے رب سے مناجات اور سرگوشی کرنے میں جو لطف حاصل ہو سکتا ہے، اس کا دسواں حصہ بھی دن کے ہنگامہ پر اور اوقات میں میسر نہیں آ سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو دوسرے مہینے کی نسبت رمضان میں شب بیداری کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا کرتے تھے لیکن آخری عشرے میں آپ کی جدوجہد اور بھی زیادہ تیز ہو جاتی تھی جیسا کہ حدیث میں ہے: ”جب (آخری) عشرہ شروع ہوتا تو اپنی کمر کس لیتے، رات کو جاگ کر گزارتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے“۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

● قرآن کا مہینہ: رمضان المبارک کی تیسری خصوصیت اس ماہ میں نزول قرآن ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ (البقرہ ۲: ۱۸۵) ”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا“۔ یہ انداز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ حقیقت میں یہ رمضان قرآن کی سالگرہ منانے کا مہینہ ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور فرمایا کرتے تھے، آخری سال آپ نے دوبار دور فرمایا۔ (بخاری، مشکوٰۃ)

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کو پوری تیزی کے ساتھ بے سمجھے بوجھے تراویح میں پڑھ لیا جائے۔ قرآن مجید کا حق صحیح معنی میں اس وقت

ادا ہو سکتا ہے جب اس کے نزول کے مقاصد پیش نظر رکھے جائیں:

۱- لِنَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْتَبٍ (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۰۶) ہم نے قرآن کو اتارا ہے تاکہ اُسے آپ ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھیں۔

۲- كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا (ص ۳۸: ۲۹) ہم نے برکت والی کتاب نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور تدبر سے کام لیں۔

۳- إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (النساء ۴: ۱۰۵) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو راہ آپ کو دکھائی ہے، اس کے مطابق آپ فیصلہ کریں۔

گویا انسان اپنے نفس پر، اپنے گھر پر، ماحول پر، پورے ملک پر بلکہ پوری دنیا پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کے غلبے اور حکمرانی کو قائم کرنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور معاشرے کا کوئی حصہ بھی اس کی رہنمائی سے خالی نہ رہے۔

● دُعا: رمضان المبارک کی چوتھی خصوصیت دعا ہے۔ قرآن مجید میں رمضان المبارک

کے احکام و فضائل کو بیان کرتے ہوئے درمیان میں دعا کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِيْ وَ لِيُؤْمِنُوا بِبِئ (البقرہ ۲: ۱۸۶) جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (تو ان سے کہہ دو کہ) میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی پکار کو میں سنتا ہوں، جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔

قرآن مجید کا یہ انداز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ رمضان اور دعا میں انتہائی گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ دعا کی مقبولیت کے پیش تر اوقات اسی ماہ میں رکھے گئے ہیں۔ رمضان، عبادت کا مقدس پاکیزہ اور پُر بہار موسم ہے اور دعا کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے: الدُّعَاءُ مَخُّ الْعِبَادَةِ (ترمذی، مشکوٰۃ، ص ۱۹۴، کتاب الدعوات)، یعنی دعا عبادت کا مغز اور گودا ہے۔ اسی بنا پر روزے دار کی دعا خصوصاً افطار کے وقت اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

● انفاق فی سبیل اللہ: رمضان المبارک کی پانچویں خصوصیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: اَطْلُقْ كُلَّ اَسِيْرٍ وَاَعْطِ كُلَّ سَاِئِلٍ (بیہقی، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۷۴)، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں تمام قیدیوں کو آزاد فرما دیتے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے۔ دوسری حدیث میں آپ کی سخاوت کو کثرت و زیادتی کے لحاظ سے تیز ہوا (الریح المرسلۃ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ کے احسانات خصوصاً نعمت قرآن کا شکر، اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ اس ماہ میں کثرت سے غربا و مساکین کی مدد کی جائے اور نیک کاموں میں آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔ اس طرح روزے دار اس ماہ میں اپنے دل سے نکل کے میل پچیل کو دور کر سکتا ہے اور اسے سخاوت و فیاضی کا خوگر بنا سکتا ہے۔ رمضان المبارک کی ان تمام خصوصیات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان کے ذریعے عبادت خالق اور خدمت خلق، دونوں کی تربیت دی گئی ہے۔

● اجتماعیت: رمضان المبارک کی چھٹی خصوصیت اس میں اجتماعیت کا پہلو ہے۔ یہ وہ فضیلت ہے جو رمضان المبارک کے تمام احکام و عبادات میں نمایاں ہے۔ روزہ رکھنے کا معاملہ ہر شخص کی صواب دید پر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا گیا ہے، تاکہ اس طرح سب مسلمان ایک ہی وقت میں سحری کھائیں اور افطار کریں۔ اسی حالت میں اگر کسی کا دل روزے کی طرف راغب نہ بھی ہو، تب بھی ماحول اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ روزے کی سعادت سے محروم نہ رہنے پائے۔ اس اجتماعی حکم کی بنا پر کمزور ایمان والے بھی ایمانی قوت حاصل کر سکتے ہیں اور عمل صالح کی کھیتوں کو سرسبز و شاداب بنا سکتے ہیں۔

● لیلة القدر: رمضان کی ساتویں خصوصیت لیلة القدر ہے۔ اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہوتی ہے۔ اس رات کو مندرجہ ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے:

اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (ترمذی، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۸۲)
اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، تو میری خطائیں معاف فرما۔
عام طور پر ستائیس ویں شب کو ہی شب قدر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات شب قدر ہوتی ہے۔

اس لیے ان پانچ راتوں کو خاص طور پر عبادت و تلاوت اور ذکر الہی میں گزارنا چاہیے۔

● اعتکاف: رمضان المبارک کی آٹھویں خصوصیت اعتکاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، لیکن آخری سال آپ نے ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا (بخاری، مشکوٰۃ)۔ اسلام نے رہبانیت (ترک دنیا) سے منع کیا ہے۔ لیکن یہ خواہش بھی فطری ہے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ گوشہ تنہائی میں اپنے رب سے سرگوشیوں میں مصروف ہو، اور اس کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے، اور آئندہ کے لیے از سر نو اطاعت و وفاداری کا عہد و پیمانہ باندھے۔ اعتکاف کو مستحب قرار دے کر ایسی خواہش کو پورا کیا گیا ہے۔

ان خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے رمضان المبارک کے ثمرات و نتائج کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس مقدس مہینے کے تقاضوں کو کامل خلوص اور غیر فانی لگن کے ساتھ پورا کرتے ہوئے دنیا و آخرت کی سعادتوں اور شادمانیوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔